

## برصغیر کا سیاسی ادب (عربی زبان میں)

ڈاکٹر احمد ادریس

مترجم: پروفیسر محمد حسان خان

ادب جب اپنی سوسائٹی کے دائرے سے ہٹ کر پروان چڑھتا ہے تو وہ سیاسی موضوعات کو زیر بحث لاتا ہے اور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں اس قسم کا ادب برصغیر میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ سلطانوں کے دربار سے باہر آ گیا۔ قلم و دماغ آزاد ہو گئے اور ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جانے لگا جو پہلے شجر ممنوعہ تھے۔

پہلی خصوصیت:

میرے قول کی دلیل یہ ہے کہ جو کچھ ادب آج ہمارے ہاتھ میں ہے وہ انیسویں اور بیسویں صدی کے ادباء کا لکھا ہوا ہے، یہ برصغیر کے عربی سیاسی ادب کی بڑی اہم خصوصیت ہے۔

دوسری خصوصیت:

اس ادب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کے داخلی مسائل کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا، یا بہت کم موضوع تحریر بنایا۔ اس کے بالمقابل بین الاقوامی مسائل میں اس کا بہت زیادہ اہتمام نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا زوال اور برطانیہ کا اس ملک پر قبضہ، انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کا ۱۸۵۷ء کا انقلاب، ہندوستان کی تقسیم، پاکستان کا قیام، دونوں ملکوں کی جنگیں اس کے علاوہ بہت سے اہم موضوعات ہیں جن کو ادباء نے بالکل نہیں چھیڑا ہے۔

مشہور سیاسی لیڈر بہادر یار جنگ (متوفی ۱۹۳۱ء/۱۳۶۱ھ) پاکستان کی تحریک

کے بڑے لیڈر رہے۔ وہ محمد علی جناح کے ساتھی شمار ہوتے ہیں۔ ان کی سیاسی اہمیت بھی بہت تھی۔ دوسری زبانوں میں ان کی کئی سیاسی تصنیفات ہیں۔ لیکن جب وہ عربی میں قلم اٹھاتے ہیں تو صرف معلقہ امر القیس پر تحریر کرتے ہیں۔ یا عظیم شاعر الطاف حسین حالی نے امت مسلمہ کے لیے اردو میں ملحمہ لکھا جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے عربی میں اس جیسا کچھ نہیں لکھا۔ کاش وہ یہ مسدس عربی میں تحریر کرتے۔

مسلمانوں کے مسائل، بین الاقوامی سلگتے مسائل، جیسے عثمانی خلافت کا سقوط اور اس کی تائید میں برپا تحریک خلافت جو ہندوستان کے علماء اور سیاست دانوں نے قائم کی تھی، پہلی اور دوسری جنگ عظیم، فلسطین کا سانحہ، اسلامی اتحاد جس کے داعی جمال الدین افغانی تھے، پڑوسی ایران اور افغانستان جہاں بڑے اہم مسائل جنم لے رہے تھے، ان سب حادثات و واقعات نے ہمارے عربی ادباء کو قلم اٹھانے پر آمادہ نہیں کیا۔

### تیسری خصوصیت:

اگر مندرجہ بالا موضوعات پر کبھی تحریر کی نوبت آئی بھی تو ضمناً۔ براہ راست ان موضوعات پر نہیں لکھا گیا، بلکہ ان کا تذکرہ دوسرے موضوعات پر گفتگو کے دوران آیا۔ جیسے عثمانیوں اور روسیوں کی جنگ کا ذکر مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مولانا ذوالفقار علی کے اس قصیدہ میں ہے جو سلطان عبدالحمید کی مدح میں ہے۔ ۱۹۷۴ء میں لاہور میں منعقد اسلامی سربراہ کانفرنس کا تذکرہ صوفی ضیاء الحق (متوفی ۱۹۸۹ء) نے شاہ فیصل بن عبدالعزیز کی مدح کے ضمن میں کیا ہے۔ اسی طرح پاکستان کی بنیاد کا ذکر محمد علی جناح کے مرثیہ میں اور روس کے افغانستان پر قبضہ کا تذکرہ ڈاکٹر خورشید رضوی نے مجاہدین کے مدحی قصیدہ میں کیا ہے۔

### چوتھی خصوصیت:

انیسویں اور بیسویں صدی میں جو ہول ناک واقعات پیش آئے اور جن کا بہت بڑا حصہ برصغیر اور عالم اسلام میں برپا ہوا، اس کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے

برصغیر کا سیاسی ادب

بہت تھوڑا ہے۔ یہ واقعات ایسے زبردست تھے کہ ہمارے ادباء کا ضمیر جھنجھوڑنے اور اکسانے کے لیے بہت کافی تھے۔ وہ نظم و نثر کو ان واقعات سے بھر دیتے۔ اس سیاسی ادب کا بہت تھوڑا حصہ، جو ہم تک پہنچا ہے، اس کو موضوعات کے تنوع کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اگر برصغیر کے اس ادب کو سلاطین اور ان کے درباروں سے نجات ملی ہوتی تو سوسائٹی سے متعلق بہت قابل قدر ادب پیدا ہوتا۔ لیکن سلاطین نے اس ادب اور ادباء کو دبایا تو وہ سکڑ کر رہ گیا۔

### پانچویں خصوصیت:

ادباء نے ان بہت سے اہم موضوعات کو بہت ہلکے اور سطحی انداز سے لیا ہے جو عمیق نظر، گہری فکر اور اچھے تجربے سے عاری ہے۔ ان ہی موضوعات پر ایرانیوں اور عربوں نے بھی لکھا ہے جو فکر رساں سے پُر ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ برصغیر کا عربی ادب جب ان موضوعات کی طرف متوجہ ہوا تو اس کو سلاطین کے قبضہ سے نجات پائے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ تفکیری لحاظ سے طفل مکتب تھا جو ابھی ابھی محلوں کے اندھیروں سے نکل کر زندگی کی شاہ راہ پر اکڑوں چلنا شروع ہوا تھا۔ تو کیا یہ انصاف کی بات ہوگی کہ ایک بچہ کا موازنہ عالم عرب کے ایک پختے کئے نوجوان سے کیا جائے؟

اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ جس وقت یہ ادب سلاطین کی زیادتیوں سے آزاد ہو رہا تھا، اسی وقت اقتدار برطانوی استعمار کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ جغرافیائی اور سیاسی طور پر بڑی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ اس وقت عربی کی ترقی کیا ہوتی، اس ملک میں عربی زبان کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ یہ عظیم الشان زبان علم و ادب کا وسیلہ بننے کے بجائے کسب معاش کا ذریعہ بن گئی تھی۔

### چھٹی خصوصیت:

اس ادب کے مطالعہ سے یہ بات زیادہ عیاں ہوتی ہے کہ ہندوستانی عربی

ادب اور عالم عرب کی ادبی سوسائٹی کے درمیان بہت دوری بلکہ مکمل انقطاع تھا۔ حالاں کہ ہندوستانی ادب آزاد ہو چکا تھا، لیکن اس کے باوجود یہ عرب ممالک کے ادبی رجحانات اور وہاں کی اجتماعی اور سیاسی تحریکات سے کسی طرح کا اختلاط نہ پیدا کر سکا۔ شدید حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں کے ادب میں شوقی کا تذکرہ بالکل نہیں ہے، حالاں کہ وہ اپنے اسلامی مزاج کے اعتبار سے ہندوستانی ادباء سے سب سے زیادہ قریب تھے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے لیڈروں میں سے ایک لیڈر (مولانا فضل حق خیر آبادی) کا تجربہ ہے جس سے وہ گذرا۔ ملکہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ لیکن جب وہ وطن واپس لوٹے تو پولیس نے انھیں گرفتار کر لیا اور انڈومان گلو بار کی طرف بدر کر دیا اور ۱۲۷۸ھ میں ان کی وفات ہو گئی۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے ملک بدری کے دوران ایک کتاب اور اشعار تحریر کیے ہیں۔ وہ اپنا تجربہ اپنی کتاب ”الثورة الهندية“ میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

هذا ولما ابتلاني النصارى بالحبس بما اختلفوا من الخدع  
واللبس، نقلوني من سجن الى سجن ومن حزن الى حزن، وزادوني شجناً  
على شجن وحزناً على حزن وسلبوني النعال واللباس، ولبسوا على كسى  
الكساء والكرياس، واخذوا منى فراشاً ليناً حسناً، ومهدوا لى وطاء مؤلماً  
خشناً، كأنه شوک قتاد، أو جمر وقاد ولم يترکوا عندى ابريقاً ولا قعباً  
ولا آنية، وأطعموني ضنازنا، وسقوني مياها آنية، فعرضت من حميم دان  
بحميم آن، وبليت مع مالى من كبر وتوان بصغار وهو ان فى كل آن، ثم  
قذفنى شط الخضم الكالح الى شط الخضم المالح الى جبل مستويل راس  
اسمه راس لا تزال الشمس فيه على سمت الراس، فى شعاب صعب،  
وعقاب فيها عقاب، وفجاج تغشاها أمواج من بحر لجي ماؤه أجاج،  
نسيمه أحر من السموم، ونعيمه أضر من السموم، غذاؤه أمر من طعوم  
العلاقم، وماؤه أضر من سموم الأراقم..... لكنى أرجو رحمة ربى العزيز

الرحيم البر الرؤوف الكريم الذي ينجي الضعفاء العاجزين ..... اے  
پھر انھوں نے جو کچھ نبیوں اور رسولوں کو تکلیفیں پہنچیں ان کا ذکر کیا ہے اور  
بتایا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیفیں دور کیں اور اپنے لیے دعا کی ہے۔

اس تحریر پر آپ غور کریں کہ اصل مسئلہ ہندوستان میں انگریزوں کا استعمار ہے،  
لیکن پورا زور تحریر ملک بدری پر ہے۔ عبارت میں بے ضرورت تسبیح کا استعمال ہے۔ اس  
سارے لفظی کھیل کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ صاحبِ عزت تھے، ان کو بے عزت کیا گیا۔

نثر کے وہ موضوعات جن پر برصغیر کے ادباء نے عربی میں تحریر کیا ہے، ان  
میں سرسید کی اصلاحی تحریک بھی شامل ہے جو محمد عبدہ کی مصر میں تحریک تجدید کی طرح  
تھی۔ علامہ حالی نے سرسید کے تاثر میں ایک مقالہ ہے، جس میں ان کی شخصیت کے  
ذریعہ ان کی تحریک کی تصویر کشی کی ہے۔ اس تحریر کا نام انھوں نے ”جملۃ صالحۃ“  
رکھا ہے۔ اس مقالہ کی چند سطریں درج ذیل ہیں:

فی مآثر ناصح الملة، وموقفهم من نوم الغفلة، الذاب عنهم فی  
کل فتنة، والناصر لهم عند كل ملمة، الذي جعل همته مقصورة علی  
اصلاحهم، ورأى لئدة حياته فی نجاحهم وفلاحهم، يهيم لهم ی كل واد  
كصب هائم ولا يخاف فيهم لومة لائم، أعنى الدكتور سيد أحمد خان بن  
السيد متقی بن السيد هادی الحسينى نسباً، والمدنى ثم الهروى محتداً،  
والدهلوى مولداً.

فاعلم ايها المخاطب الجليل أن هذا الشيخ الأجل الأجل الأجل  
الهمام، والسيد الصنديد السميع القمقام هو اول من تصدى لاصلاح  
حال مسلمى الهند فى أواخر المائة الثالثة من الألف الثانى، وأفتى عمره  
كما أفتى ماله فى نصحهم والرفقة بهم والشفقة عليهم والمجاهدة فيهم،  
وأول من ذب عن الاسلام وسافر لأجل ذلك الى أوروبا، ونشر هناك  
محاسن الاسلام بين المسيحيين، وطهر ذيله عما افتروا عليه ونسبوا اليه

من المثالب والمساوی، (تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً) وأثبت فضله علی  
أدیان أخرى بدلائل بینة، وبراهین متقنة سلک فیها طریق استدلالهم،  
ونسج علی منوالهم ..... ۲۰

حالی سید احمد خان کی ان کاوشوں اور کوششوں کو شمار کرتے ہیں جو انھوں نے  
مختلف میدانوں میں اصلاح کے لیے کیں تھیں۔ ترجمہ، تالیف، سیاست، صحافت اور  
دیگر تمام میدانوں میں جو کارنامے انھوں نے انجام دیے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کا  
مقصود تو اپنے ہیرو کا تذکرہ تھا، اگرچہ ان کی اس تحریر سے سرسید کی تحریک کے خطوط بھی  
معلوم ہو گئے۔

اگر برصغیر کی سیاسی نظم کی طرف توجہ مبذول کریں تو اندازہ ہوگا کہ وہ کیت  
اور کیفیت میں نثر سے بہت زیادہ ہے۔

خیر آبادی کی نثر آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائی جس میں انھوں نے  
اپنی گرفتاری کی روداد تحریر کی ہے۔ اس سلسلہ میں نثر کو انھوں نے کافی نہیں سمجھا اور اپنی  
حالت پر دو قصیدے تحریر کیے ہیں۔

پہلے قصیدہ میں ملکہ برطانیہ کے دھوکہ کا ذکر ہے، ساتھ ہی اپنی ملک بدری کا  
حال بھی بیان کیا ہے۔

الأسر أنسأی أسرتی وأقاربی	ما من حمیم فیہ الا الماء
عمیت علی الابناء أنبائی کما	عمیت علینا منهم الأنباء
أبکی لبعء أقاربی وأحبتی	ولهم علی فقدی أسی وبکاء
أسکت وحشاً لا یری فیہ سوی	الشیئین الغربان والغرباء
کم نعمة زالت وکم من نعمة	حالت وحل الضر والضرء
حال النوی بینی و بینی أحبتی	حالا وحال الحال والنعماء
قد سلط الأنصار فی أمصارنا	أن صار أنصاراً لهم سفهاء
لم یعلموا أن لا وفاء لهم ولا	أن لا لهم مندوحة ووقاء

والآن اذ نصر النصارى أفرطوا  
قتلوا وغالوا جل من آخذوا وهم  
غالوا براياهم برايا غيلة  
كم حربوا بلداً ولم يدروا به  
هدوا المساجد والقصور كأنها  
قدروا على الناس المعاش فقدروهم  
فظهورهم ثقلت بأوزار بما  
أفهل لعدوان تعدى حده  
لم اقترف ذنباً سوى أن ليس لى  
فولأؤهم كفر بنص محكم  
كيف الولاء وهم أعادى من له

فى الظلم فاخترم الضعاف جفاء  
مما ادعوا من جرمهم براء  
فجرت كما انفجر العيون دماء  
بلداً فصار كأنه بيدااء  
لم تبين لم يك ثم قط بناء  
أن لا غداء عندهم وعشاء  
شحت بطون صدورهم شحنااء  
حد وهل للمعتدين جزاء؟  
مع هؤلاء مودة وولاء  
مافيه للمرء المحق مرأء  
خلق السما والأرض والانشاء

اس بیت سے وہ نبی ﷺ کی مدح کرتے ہیں، پھر وہ آپ کا اور آپ کی آل  
اولاد اور صحابہ کا وسیلہ چاہتے ہیں، تاکہ اللہ ان کی تکلیفیں دور کرے، قید سے رہائی ملے،  
ظالموں کو شکست ہو اور مظلوم ظلم سے نجات پائیں۔

آپ غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ نثر میں جو مطالب بیان کیے تھے وہی نظم میں  
دہرائے ہیں اور صرف لفظی کھیل ہے، محسنات کی کثرت ہے، جناس کی تمام قسمیں طباق  
اور توریہ کا بھرپور استعمال ہے۔ دوسرے قصیدہ کا مطلع ہے:

عودى فعودى مريضاً دواؤه عادى  
أشفى على الحين حتى عاده العاد

اس قصیدہ میں بھی وہی معانی و مطالب ہیں اور وہی طریقہ اور اسلوب ہے۔  
گہرے سیاسی مسائل، انگریزوں کے استعمار کے نقصانات، مسلمانوں کے  
ملک کا زوال اور اس جیسے مسائل ہمارے شاعر کے اشعار میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جو  
کچھ مذکور ہے وہ انسانی حقوق کی پامالی شمار ہو سکتی ہے، اسی طرح عوام اور علماء اور اپنی  
حکومت کے مخالفین پر انگریزوں کے مظالم کا بیان ہے۔

روس اور عثمانیوں کی ۱۲۹۳ھ کی جنگ ان بین الاقوامی مسائل میں سے تھی جس نے برصغیر کے عرب شعراء کی توجہ پائی، لیکن اس جنگ کے اسباب، عثمانی سلطنت پر اس کے اثرات اور عالم اسلام پر اس کے نقصانات کی کوئی اہمیت نہ تھی، اگر تھی تو صرف یہ تھی کہ جنگ سلطان عبدالحمید اور عالم اسلام کے خلاف ہے۔ جنگ عظیم دوم نے ان کے اندرون کو نہیں سلگایا جب کہ ایٹم بم کا بے دریغ استعمال کیا گیا، فلسطین پر ڈاکہ ڈالا گیا، صبح و شام میں اس کو اسرائیل بنا دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کوئی حکم راہ عبدالحمید جیسا نہیں تھا جس کی تعریف بنیادی طور پر کی جاتی اور ضمنی طور پر واقعات کا تذکرہ کر پاتے۔ اس لیے کہ وہ بین الاقوامی مسائل کو بھی عام طور پر مدح یا مرثیہ کے ذیل میں زیر بحث لانے کے عادی تھے۔

ہمارے سامنے دو طویل قصیدے ہیں۔ ایک مولانا فیض الحسن سہارنپوری (۱۳۰۴ھ) کا، دوسرا ذوالفقار دیوبندی (۱۳۲۲ھ) کا۔ دونوں سلطان عبدالحمید کی مدح میں ہیں۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے قصیدہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

أبکی علی بکاء غیر منقطع	فلینظر الناس أجماعی وآماقی
حولی کثیر من الأعداء همهم	قتلی ومالی دون الله من واق
انی أخاف علی نفسی تألبهم	علی أشفق منهم کل اشفاق
فسوف آوی الی جلد أخي ثقة	ذمر کمی الی التقتال مشتاق
حامی النمار حمی الأنف ذی أنف	طلق الیدین طویل الباع سواق
شاکی السلاح الی الرايات مبتدراً	صدق المقام الی الغایات سباق
عن آل عثمان سامی الطرف مبتسم	الی الطعان شدید البأس مشتاق
قوم اذا ماغزوا فازوا ببغیتهم	ولا یعودون فی شیء باخفاق
فتیان صدق أولو بأس ذوو کرم	لا یجلسون لیدی قوم باطراق
بیض کرام لهم مجدو مکرمة	غراء یثنی علیهم کل ملاق یم



مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے ایک قصیدہ اسی بحر میں اسی معنی میں کہا ہے۔  
اس میں جنگ کی کوئی تفصیل نہیں ہے، بس سلطان عبدالحمید کی مدح ہے۔ چند اشعار  
ملاحظہ ہوں:

رنت الی بعینی جوڈر فغدا	قلبی جریحاً بجرح غیر مندمل
فیابنی الأصفر التزویر شیمتکم	تلقیکم خرد کم فی الشر والغیل
قولوا لها الآن ان شتتم فلا حکم	أن صبک المبتلی لاتهجری وصلی
ان لم تب من جفاها قد عزمت علی	ان استغیث سلطان الوری البطل
عبد الحمید أمان الخائفین میبد	الظالمین سدید القول والعمل
کھف الأتام مغیث المستضام له	الی أقاصی المعالی أقرب السبل
العادل الباذل المرهوب سطوته	فی الجود کالبحر بل کالعارض الهطل
غوث الوری خادم الحرمین معصم ال	مکروب غیث الندی یهمی بلا مظل
شھم همام امیر المؤمنین و سلطان	السلاطین نجل السادة الأول
یا آل عثمان یا فخر الکرام و یا	خیر الأنام لأنتم منتهی أملی ۵

ان اشعار میں شاعر متنبی سے بہت زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ  
الفاظ بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے کہ دیوان متنبی کی شرح انھوں نے اردو میں لکھی  
ہے، جو برصغیر کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کی کم زوری، مسلمانوں کے احوال کی خرابی  
اور ان کے اقتدار کا خاتمہ، بادشاہت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونا، اس نے بعض ادباء کے  
جذبات کو برابری کیجیے کیا اور انھوں نے متاثر ہو کر شعر کہے۔ علامہ وحید الدین العالی  
الحیدر آبادی (م ۱۳۴۴ھ) نے امت مسلمہ کے مرثیہ کے طور پر ایک ملحمہ لکھا جس میں  
۱۱ شعر ہیں، جس طرح کہ اندلس کے شاعر صالح بن رندی نے اندلس کا مرثیہ کہا تھا۔  
چند اشعار درج ذیل ہیں:

وفتیة عدولنی حین هیج لی	نوح الطیور بکاء فیہ أشجان
تقول مالک تبکی فی اشتیاقهم	لکل طیر لہا فی الأیک الحان

حزن تسعره كالنار أحزان  
والدمع منسجم والجفن ملآن  
بلغ سلامی صحبی اینما كانوا  
وان یکن منهم للصب نسیان  
غرباً وسادوا الوری حتی لهم دانوا  
حتى استتارت بها فی الأرض بلدان  
دیناً به نسخت فی الناس ادیان  
وزال عنها بهم کفر و طغیان ۶

فقللت ویحکم مهلاً لأنی بی  
قلبی به ألم كالنار مضطرم  
یارا کب الخیل قد طارت به عجلاً  
طول ادکاری لهم لیلی يطول به  
این الألی ملکوا شرقاً کما ملکوا  
این الألی طلعت شهب العلوم بهم  
این الألی رتقوا فتق الوری وحمرا  
این الألی نور الأرجاسراجهم

عالم اسلام کے ادباء کو بیسویں صدی میں مشنریوں کے کام سے بڑی تشویش تھی۔ بیسویں صدی کے نصف اول کے جدید عربی ادب، نثر اور نظم دونوں میں اس کے نمونے موجود ہیں۔ جس میں اس مرض کا علاج تحریر کیا گیا ہے۔ برصغیر میں بھی یہ مسئلہ نہایت بھیا تک شکل میں موجود تھا۔ انگریزی دور میں عیسائی مشنریوں نے اپنی سرگرمیاں بہت تیز کر دی تھیں۔ ادباء کے جذبات کو ان امور نے ابھارا۔ مولانا اصغر روجی (م ۱۹۵۴ء) نے ایک قصیدہ عیسائی مشنریز کو مخاطب کر کے کہا ہے:

نرید جوابه ممن وعاه  
أما توه فما هذا الاله  
سمیع یتجیب لمن دعاه  
یدبرها وقد سمرت یداه  
اله الحق شد علی قفاه  
یخالطه ویلحقه أذاه  
وطالت حیث قد صفعوا قفاه  
أم المحیی له رب سواه  
وأعجب منه بطن قد حواه  
لدى الظلمات من حیض غذاه

أعباد المسیح لنا سؤال  
اذا مات الاله بصنع قوم  
وهل بقی الوجود بلا إله  
وهل خلست العوالم من اله  
وکیف اطاعت الخشبات حمل ال  
وکیف دنا الحدید الیه حتی  
وکیف تمكنت أیدی عداه  
وهل عاد المسیح الی حیاة  
ویا عجباً لقبر ضم رباً  
أقام هناك تسعاً من شهور

وشق الفرج مولوداً صغيراً  
 ضعيفاً فاتحاً للندى فاه  
 ويأكل ثم يشرب ثم يأتي  
 بلانم ذاك هل هذا اله؟  
 تعالى الله عن افك النصارى  
 سيسأل كلهم عما افتراه  
 سے  
 پڑھنے والا محسوس کرے گا کہ شاعر نے مشنریوں کی حقیقی اور خطرناک سرگرمیوں،  
 ان کی پلاننگ، انگریزی حکومت کی درپردہ مدد وغیرہ پر کچھ نہیں کہا، وہ تو نصاریٰ کے  
 عقائد کے بارے میں مباحثہ کر رہا ہے اور ان کو باطل قرار دے رہا ہے۔ ہم شاعر سے  
 یہ توقع نہیں کرتے اور نہ کرنا چاہیے کہ وہ سیاست دانوں کی طرح مباحثہ کرے گا، لیکن  
 شاعر نے اتنے اہم موضوع کو بالکل سطحی انداز سے لیا ہے۔

ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کی تاسیس بلاشبہ برصغیر کے لیے بیسویں صدی  
 کا سب سے اہم حادثہ ہے۔ اس حادثہ نے بہت سے لوگوں کو خوش بخت کیا اور بہت  
 سے بدبختی سے دوچار ہوئے۔ اس اہم واقعہ نے شعراء کے جذبات کو نہیں ابھارا۔ اسی  
 طرح محمد علی جناح کی وفات پاکستان کے قیام کے ایک سال بعد یکم ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔  
 تقسیم کے وقت جو خون خرابہ ہوا، مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں ہندوستان میں چھوڑیں،  
 پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں خیموں میں مقیم رہے۔ پھر ایک ملک حاصل ہو جانے کی  
 خوشی کا اظہار بھی شعر و نثر میں ہونا ضروری تھا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ  
 برصغیر کا عربی ادب غیر فطری ہے۔ تقسیم پاکستان کا مختصر تذکرہ محمد علی جناح کے مرثیہ میں پایا  
 جاتا ہے۔ ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق (م ۱۹۸۹ء) نے اس موضوع پر قصیدہ تحریر کیا ہے۔

بعقوتنا غراب البین صاحباً  
 أصاب الموت قائدنا الجناحاً  
 إذا الناعى نعاہ لنا صباحاً  
 علا صوت الجميع بوا صباحاً  
 أخو ثقة وذو رأی سدید  
 غیور حازم حاز الرباحا  
 له تدبیر ذی حنک حکیم  
 خبیر ماہر طلب اقتراحا  
 أهیل الهند لم یألوا فساداً  
 فسخرهم وان كانوا سراحا  
 مسلمة سیاسته لیدیهم  
 فان الله أعطاه الكفاحا

فطالہم علی حدۃ نصیباً  
سعی لحصول باکستان سعياً  
وأعمل رأیہ لحصول ہذا  
وحالت دون مقصدہ العزیز  
فلما أن تحصل واستقرت  
قواعدہ فلم یلبث وراحا ۸

ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق نے لاہور سربراہ کانفرنس کے بارے میں اشعار کہے ہیں، جس میں شاہ فیصل نے بھی شرکت کی تھی۔ اس قصیدے پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ شاعر یہاں بھول گیا کہ معزز مہمان کے استقبال سے بھی زیادہ اہم موضوعات اس کانفرنس میں زیر بحث آئے ہوں گے۔ شاعر خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ کانفرنس اندرونی اور بیرونی مسائل کی وجہ سے پاکستان کی جدید تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

أیا ضیفنا أهلاً و سهلاً و مرحباً  
ویا زائراً من أرض أكرم بلدة  
فما كان یأتی البحر عطشی لیشربوا  
أیا فیصل الملك المعظم لم یکن  
أتانا العدو بغتة متأسدا  
فصارت بلاد المسلمین جمیعها  
سعیت لتوثیق الروابط بینها  
وأوسعها فضلاً وأمنت خانفا

علیک سلام اللہ ماہبت الصبا  
لہا الذکر ما أحلاہ فینا و اطیبا  
ولکن أتانا الیوم بحر لنشربا  
لکم نقص أیمان المودة مذہبا  
ولما راکم ناصرین تشعلبا  
بجهدک جسماً واحداً مترکبا  
فصرت الی کل القلوب محببا  
وواسیت مظلوماً وأخصبت مجلبا ۹

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ برصغیر کے ادباء نے سیاسی ادب کے لیے کچھ موضوعات منتخب نہیں کر رکھے تھے۔ مدیہ اور مرثیہ قصائد کے چوکھٹے میں جو جی میں آیا کہا۔ ان کا اکثر ادب شخصیات کے ارد گرد گھومتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں عربی ادب امراء اور سلاطین سے جوار ہا۔

مذکورہ شاعر کے شاگرد ڈاکٹر خورشید رضوی، باوجود یہ کہ اللہ نے ان کو شاعری کا سلیقہ اور سلگتے جذبات عطا کیے ہیں، ان سے بجا طور پر امید تھی کہ وہ روایتی انداز سے باہر نکلیں گے اور مختلف موضوعات و مسائل پر شعر گوئی کریں گے، خاص طور پر جب کہ مسائل اہم اور خطرناک ہوں جیسے جہاد افغانستان وغیرہ کہ اس کو مدح کے دائرہ میں نہ لیا جائے، لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ برصغیر کے عربی شعری اسکول کا جو طریقہ ہے وہی ان پر بھی حاوی ہے، خلف نے سلف کا طریقہ اخذ کیا ہے۔

خورشید رضوی افغانستان سے متعلق اپنے قصیدے میں کہتے ہیں:

أ اخوتنا الأفغان فيكم بسالة	وفى دار أهل الكفر منها زلازل
رددتم بيأس كيدهم فى نحورهم	ولم تخضعوا للخطب والخطب هائل
أقمتم بضرب السيف زيغ قلوبهم	وبالسيف تترتاض النفوس الموائل
يها بونكم رغم الهزال بدابكم	وتخشى الكلاب الليث والليث ناحل
وفيكم خصال للمديح كثيرة	وما عندنا الاقواف قلائل
سيغمركم فى الحرب فوز ونصرة	فتعلونهم، لن يغلب الحق باطل

یہاں کے ادباء جو عاصفۃ الصحراء (Dessert Storm) اور کویت کے قبضہ اور اس کے بعد خلیجی جنگ سے متاثر ہوئے وہ بھی مدح سے نہیں نکلے۔ محمد حسین اقبال نے ایک طویل قصیدہ اس مناسبت سے نظم کیا ہے جس کا اکثر حصہ عراقی صدر صدام حسین کی تعریف میں ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

يا قلب صبرا فى مجال البلاء	لا تجز عن من كثرة الأدواء
عرج على بغداد مهد حضارة	والكربلاء "حديقة الزهراء"
ومساكن العباد والزهاد والش	هداء والعلماء والقراء
قف عند صدام مليا انه	اسد وحيد حامل الاعباء
صارت بصدام وجوه المسلمى	ن وضنية كالبدر فى الظلماء

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پڑوسی ملک افغانستان برصغیر کے شعراء کے جذبات کو

گرمائے رکھتا ہے، نذیر احمد (م ۱۳۳۰ھ) نے افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ کی ہندوستان آمد پر ایک قصیدہ نظم کیا تھا جس میں وہ مسلمانوں کے احوال بیان کرتے ہیں۔ اس قصیدہ کے سیاسی مطالب بھی مدح کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوئے۔ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

جمعت فیک النقی والملک والأدبا	والله انا نری فی شأنک العجبا
انالنفی زمن فی اهلہ خبل	لا یحسنون اکتساب العلم والطلبا
لا سیما المسلمون الغافلون فہم	یرجون أجراً ولا یقضون ماوجبا
المترفون ہم الفساق اکثرہم	یبدرون تلاد المال والنسبا
ان انتہوا ینتہوا عن سوء فعلہم	للعجز والضعف لا خوفاً ولا رہبا
أخلاف قوم علوا فی الارض مرتبة	وآمنوا بنبی شرف العربا
ضلوا طریق الہدی والدين قد نبذوا	وراءہم فاستحقوا المقت والغضبا ۱۲

برصغیر میں جس بنیاد پر عربی سیاسی شاعری وجود میں آئی اس سے صرف علامہ حمید الدین فراہی مستثنیٰ ہیں۔ ان کو تنہا عربی زبان کا سیاسی شاعر مانا جاسکتا ہے۔ فراہی (م ۱۳۲۹ھ) نے اپنے زمانہ کے موضوعات مدح، مرثیہ اور مواعظ پر شعر نہیں کہے۔ بلکہ ان کے اکثر شعر سیاست پر تھے۔ مولانا بدر الدین اصلاحی نے ان کا ایک مختصر دیوان ۱۹۶۷ء میں شائع کیا ہے۔ اس عہد میں جو موضوعات عالم اسلام کو گھیرے ہوئے تھے اس پر فراہی نے نظمیں کہیں اور قصائد نظم کیے۔ عثمانی سلطنت کے زوال کے دور میں، اٹلی اور لیبیا کی جنگ، عثمانیوں کی اٹلی سے صلح، بلقان کی بغاوت، اور ان تمام واقعات کو عربوں اور مسلمانوں سے مربوط کیا۔ وہ ایک قصیدہ میں گویا ہیں:

کیف القرار وقد نکس	اعالمنابطر ابلس
نبکی علی اخواننا	بین القتیل ومن حبس
الافہبوا الیوم فال	اسلام تعیس بل تعس
هل لا ذکرتم ما اصاب	المسلمین بأندلس

هل يذهب الحق النق  
والله لا نرضى به  
فاليوم ان لم تدفعوا  
يغفون قسطنطينى  
قد صيح فى حجراتها  
فلننصحن أو نقتلن  
واستجمعوا عدداً فما  
أعنى المراكب والمدا  
فتأهبوا وتألبوا  
واستنصروا الله المهى  
ولينصرن الله من  
ترکوں نے اٹلی حکومت سے صلح کر لی تھی۔ شاعر اس بات سے ناراض ہے۔

ان پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

الناهيين بلادنا  
أتسالمون عدونا  
هل لا ذكرتم يوم أل  
كنتم لنا الاخوان اذ  
نحمى الخلافة بالسيو  
فريت حدائق مجدها  
أبعد ذلك تخاذلو  
ان العدو هم هم  
لاسلم بالظليان حت  
ننفيهم عن ارضنا  
فالموت خير من حيا

والغاصبين لحرينا  
وتركنا بيننا  
قيتم اموركم اليانا  
فى الدين والود استوينا  
ف الباترات اذا انتقينا  
بدمائنا لما سقينا  
ن وتذهبون فاين ايننا  
لو تبصرون كما رأينا  
ي يتركوا بلدنا ثوينا  
لانرعوى عما قضينا  
ة تحتوى ذلا و شينا

صبرا اذالج الوغی لانرهب الطلیان ان  
 فراہی جنگ بلقان میں مسلمانوں کی تکلیف محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اشعلنا بالبغی اهل الصلیب  
 اسلام الانالها من لہیب  
 وحثهم لكل شرو حوب  
 یذهل فیها عن حبیب حبیب  
 یاأكل من اللہ عبد منیب  
 ذب العدی عنه فهل من مجیب  
 واستنفرُوا من كل مردوشیب  
 بنصره الموعود غیر الكذوب  
 قد مسکم من الجهاد لغوب  
 حلّ علی الإسلام یوم عصیب  
 نصر من اللہ وفتح قریب ۱۵

فان تصبروا اللہ لایحزنکم  
 فراہی یورپ کی عالمی جنگ کی شامت کرتے ہیں اور جو کچھ ہٹلر نے ان کے  
 اور روسیوں کے ساتھ کیا اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اپنے قصیدہ ”الملحمة الکبریٰ“  
 میں لکھتے ہیں:

لقد حل بالروم شر شر  
 فہم حصب کما لہشیم الیبی  
 رحی الحرب تطحنهم والدم  
 فکم ألف ألف وکم مثلها  
 فکم ألف ألف وکم مثلها  
 وکم بلدعا مرقد خوی  
 جنتها اوربا ولكنها

فنار الحرب بهم تسعر  
 س یصلونها زمرا قزمر  
 ء تدیر الرحی مثل جری النهر  
 قتیل وکم مثلها قد اسر  
 علی مورد مالہ من صدر  
 وکم هو من اطم مشمخر  
 الی منتھی الشرق ترمی الشرر



ت ولكنها هي احدى الكبر  
 د خيراً بخيرو شراً بشر  
 ن ييلوهم برهة من عمر  
 ه يبطشهم بطشة المقتدر  
 يعيشون في الارض بحر أوبر  
 وكانت قضاء وامرا قدر  
 أتى قدر الله أعمى البصر  
 ونما حليف له مستمر  
 فرنسا وروسيا وانكلتر  
 ث ولكن المان قوم صبر  
 ق اذ عزم الخلفا الختر  
 قنابل، مثل جذوع الشجر  
 وما كان الا كلمح البصر  
 كذاك الجزاء القو كفر  
 على كانجومن عذاب وضر  
 رغربا فاضرم فيه السعر  
 ن، افزعه نبأ من أحر  
 كتائب روس تدلى الدبر ۱۶

فماهي من سنن جاريا  
 فان الاله يجازى العبا  
 ولكنه يمهل الظالمى  
 فان لم يتوبوا ويتقو  
 كذا الروم مما طغوا فى البلاد  
 اتاح لهم ربهم نقمة  
 وكانو دهاة ولكن اذا  
 والمان امته حوله  
 فقام ييارز عداة  
 وكيف اثنتان بحرب الشلا  
 وبلجيك سدت عليه الطرى  
 فاصبح يرى على سورها  
 فدمرها وسبى اهلها  
 فبلجيك صارت كان لم تكن  
 وقد علم الناس ما انزلت  
 ولما قضى النحب منا استمر  
 فيينا يذيق فرنسا الهوا  
 فكر الى الشرق فاستعجلت

مندرجہ بالا اشعار میں بالکل کا یا پلٹ ہے جہاں شاعر محسنات و بدائع کا استعمال بالکل نہیں کرتا، بلکہ اپنے افکار و جذبات بلا واسطہ بیان کرتا ہے۔ انھوں نے کسی بادشاہ کی مدح کی نہ کسی فرد کی، بلکہ موضوعات سے براہ راست تعرض کیا ہے۔ ان کی شاعری کے مطالعہ کے بعد سب یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم ایسے شاعر کے سامنے ہیں جس کے سینہ میں عالم اسلام کا درد ہے۔ لیبیا اٹلی کے قبضہ میں ہے اس سے اسے تکلیف ہے۔ جب مسلمانوں کو سکون ملتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ یورپ میں جب جنگ

ہوتی ہے تو وہ اس کی ثنات کرتا ہے۔ وہ اسلامی اتحاد کے شاعر ہیں۔ ان کو جغرافیائی حدود اور نسلی قیود گرفتار نہیں کر سکتیں۔ جب میں ان کے شعر کا مطالعہ کر رہا تھا تو مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس زمانہ کی معروف اسلامی تحریکات کے کسی شاعر کو پڑھ رہا ہوں۔ ان کی وفات کو پچھتر سال سے زیادہ ہو گئے۔ وہ بہت بڑے مفسر تھے۔ ان کے رشید رضا مصری کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ ہماری رائے میں وہ عربی سیاسی ادب کے امام ہیں۔

## حواشی و مراجع

- ۱۔ باغی ہندوستان، عبدالشاہد خان شروانی، ص ۲۹۰-۱۹۶، پاکستان، ۱۹۷۴ء
- ۲۔ ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی، محمد یعقوب مجددی، ص ۱۳۳-۱۳۴، الہند ۱۳۳۲ھ
- ۳۔ باغی ہندوستان، ص ۳۰۵-۳۰۹
- ۴۔ دیوان الفیض، ص ۴۸-۵۰، نذرۃ النواطر: ۸/۳۶۷-۳۶۹، کراچی، ۱۹۷۶ء
- ۵۔ نذرۃ النواطر، ۱۴۱/۸-۱۴۳
- ۶۔ منتخب عربی اشعار، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ عربی کا پبلیشن ہندوستان، ۱۹۹۰ء، ص ۳۴۷-۳۴۸
- ۷۔ مولانا اصغر علی رومی، ذوالفقار علی رانا کا عربی ادب پر پی ایچ ڈی تھیسس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۸۶-۲۸۷
- ۸۔ ڈاکٹر خورشید رضوی کے شاگرد نے مؤلف کو شاعر کے دیگر اشعار کے ساتھ یہ قصیدہ بھی دیا۔
- ۹۔ مذکورہ بالا حوالہ
- ۱۰۔ افغانستان کا مجلہ مطبوعہ اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۶ء، ص ۳۳
- ۱۱۔ حدیث انفس، ص ۶۳-۶۴
- ۱۲۔ نذرۃ النواطر، ۴۹۶/۷-۴۹۷
- ۱۳۔ دیوان عبدالحمید فراہی، ص ۸-۱۰، پاکستان، ۱۹۶۷ء
- ۱۴۔ دیوان فراہی، ص ۱۳-۱۵
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۱۸-۱۹
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۲۳-۲۶